ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.1(2024)
(January to March)

آفتاب اقبال شمیم کی نظم میں فطرت سے مکالمہ

Dialogue with Nature in Aftab Iqbal Shamim's Poems

سردار عابد علی

پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر محمد ناصر آفریدی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

Sardar Abid Ali
Ph.D Scholar,Department of Urdu, Alhamd Islamic University, Islamabad
Dr. Muhammad Nasir Afridi
Assistant Professor, Department of Urdu, Alhamd Islamic University, Islamabad

Abstract:
This article deals with Aftab Iqbal Shamim's poetry and great expression of nature in his poems. In his poems we can see a dialogue with nature. He transforms the expression of existentialism, resistance symbolism myths and politics into a dialogue with nature. this transformation makes his poems eco-centric and environmental justice. In his poems Aftab Iqbal Shamim rebuilds environmental lose by pollution over papulation and distraction of forests. His simple style of narration made his poems thought provoking.

Keywords: Existentialism, Transformation, Pulutoon, Distraction, Eco-sentric, thought provoking

آزادی کے بعد جدید اُردو نظم میں جو نئے نام سامنے آئے ان میں سے زیادہ تر نئی نظم میں منفرد تجربات کی بنا پر اپنا نام بنانے میں کامیاب ہوئے۔ ان تجربات میں تمثال، علامت، استعارہ، تکنیک اور اسلوب کی انفرادیت نے نئی نظم کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ آفتاب اقبال شمیم کا شمار بھی جدید اردو نظم کے ان شعرا میں ہوتا ہے جن کی نظم میں فنی تجربات، عصری زندگی کی عکاسی کرتے موضوعات، تخلیقی اپج اور ایک خاص رمز ہے جس کے بہاؤ میں ان کی نظم آگے بڑھتی ہے۔ ان کی نظم اپنی ہم عصر شاعری سے کئی حوالوں سے منفرد اور مختلف ہے۔ اس نئی شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> "اب جو نظم سامنے آئی اس نے فنی ابہام اور تخلیقی تہہ داری کے لیے علامتی فضا کو زیادہ قبول کیا اور معنی کی نئی جہتوں کو بیک وقت اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔"(۱)

آفتاب اقبال شمیم کی نظم کا ایک خاص بہاؤ ہے۔ وہ نظم کو ابہام سے بچاتے ہیں اور نظم کی بنت میں ان عوامل کو آشکار کرتے ہیں جو ہمارے سامنے کے ہیں۔ خاص طور پر ان کی نظم میں فطرت سے مکالمہ کثرت سے ملتا ہے۔ سماجی مسائل ہوں یا تہذیبی صورت حال، وہ اپنے عہد کے ثقافتی، لسانی، مادی اور وجودی رویوں کو بیان کریں یا آمریت کے خلاف آواز اٹھائیں وہ فطرت کی زبان میں بات کرتے ہیں۔ ان کی نظم میں دریا، درخت اور پہاڑ بڑے استعارے بن کر سامنے آئے ہیں۔ ان کے ہاں فطرت سے جڑت دیگر ہم عصر

شاعروں سے زیادہ نظر آتی ہے۔ فطرت کے ساتھ مکالمہ انسان مرتکز بیانیے کی نفی کرتا نظر آتا ہے۔ فطرت سے اس مکالمہ کو ایک سطح پر ہم امیجری کے معنوں میں دیکھ سکتے ہیں۔ آفتاب اقبال شمیم فطرت کے مناظر کو جوڑ کر ایک ایسا امیج بناتے ہیں جو نئے معنوں کی تشکیل کرتا ہے۔ عقیل احمد صدیقی امیجری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''امیجری کا سادہ سا مفہوم لفظوں کے ذریعے تصویر کشی ہے۔ یہ تصویر کشی ہر دور میں شعری اظہار کا مخصوص وسیلہ رہی ہے۔ اردو کی قدیم شاعری غزل، مرثیہ، مثنوی اور قصیدہ سب ہی میں پیکر تراشی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ شبلی نے ''محاکات'' یعنی لفظوں کے ذریعے تصویر کشی کو شاعری کے مرکزی عنصر کی جگہ دی ہے، لیکن قدیم شعرا امیجز کو کلام کی زینت یا اپنے محسوسات کی وضاحت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ان پیکروں کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ ظاہری شباہت (Apparent Similarity) کو واضح کرتے تھے۔''(۲)

اُردو نظم کے آغاز میں جس نظم میں فطرت کا بیان سامنے آتا ہے نیچر سے جوڑ کر ''نیچرل'' کہا گیا۔ الطاف حسین حالی نے اپنے نظریہ شعر میں خیالات کو بدلنے کی بات کی اور زبان کو سادگی سے برتنے پر زور دیا۔ وہ نیچرل شاعری کے حوالے سے وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''شعر کے الفاظ اور ان کی ترکیب وبندش تا بہ مقدور اس زبان کی معمولی بول چال کے موافق ہو، جس میں وہ شعر کہا گیا ہے کیونکہ ہر زبان کی معمولی بول چال اور روزمرہ اس ملک والوں کے حق میں جہاں وہ بولی جاتی ہے نیچر یا سیکنڈ نیچر کا حکم رکھتے ہیں۔ پس شعر کا بیان جس قدر کہ بے ضرورت، معمولی بول چال اور روزمرہ سے بعید ہو گا اس قدر ان نیچرل سمجھا جائے گا۔''(۳)

فطرت کی طاقت، ادبی، سماجی، تعلیمی، سیاسی اور ثقافتی سطح پر ابھرنے والے سوالات کو اس انداز سے جذب کر کے ایک متبادل معنی کو سامنے لاتی ہے۔ نیچرل شاعری کی تحریک نے قدیم ہند اسلامی تہذیب کو انگریزی ادب سے ہم آہنگ کرنے میں مدد کی اور یوں ہندوستان میں ایک نئی شاعری کا آغاز ہوا جس میں فطرت اور فطرت نگاری کو مرکزی اہمیت حاصل ہوئی۔ فطرت نگاری کی طرف رجحان ہر شاعر کے ہاں نظر نہیں آتا۔ ہر شاعر کے پاس اپنا ایک ایسا گوشہ عافیت ہوتا ہے جہاں سے وہ طاقت حاصل کرتا ہے۔ وہ جب اپنے سامنے کسی گھبراہٹ، اکتاہٹ اور بے زاری کو دیکھتا ہے تو اسی گوشے سے طاقت حاصل کرتا ہے۔ وہ انہیں خاص لفظوں، علامتوں اور تناظرات کو بیان کرتے ہوئے نئی صورت حال کا سامنا کرتا ہے۔ فطرت کی آغوش میں پناہ لینا اور فطرت سے طاقت حاصل کرنا بھی ایسا ہی ایک عمل ہے آفتاب اقبال شمیم فطرت کو کثیر معنویت کے ساتھ برتتے ہیں۔ نظم میں طاقت کے ان مختلف رجحانات کے حوالے سے روبینہ ترین لکھتی ہیں:

> ''روابط اور رشتوں کی نوعیت تبدیل ہوئی تو سوچ کا نظام بدلا۔ عمل اور ردِ عمل کا سلسلہ شروع ہوا۔ زندگی کا چلن بدلا تو ادب نے بھی اپنی راہیں بدل لیں ادب کی تحریکوں نے عالمی سطح پر اپنا رنگ جمایا وجودیت کی تحریک علامت کی تحریک، نیچریلزم، ہیومنزم،

ڈاڈاازم، رئیلزم اور نہ جانے کیا کیا تحریکیں وجود میں آئیں۔ جنہوں نے نہ صرف کسی
ایک علاقے کے ادیبوں کو متاثر کیا بلکہ پوری دنیا کے فنکاروں کو سوچ اور اظہار کے نئے
نئے پیمانے اور سانچے عطا کئے۔"(۴)

اگرچہ فطرت نگاری ایک غالب رجحان کے طور پر اردو نظم میں موجود ہے لیکن آفتاب اقبال شمیم کی نظم میں یہ غیر محسوس انداز میں ایک طاقت بن کر سامنے آیا ہے۔ وہ فطرت کی آغوش میں بیٹھ کر کتھارسس کرتے ہیں۔ وہ وجودی الجھنوں کا حل بھی اسی سے حاصل کرتے ہیں۔ وہ فطرت سے ہی مزاحمتی طاقت حاصل کرتے ہیں اور خیال اور خواب کے دھارے میں بہتے ہوئے فطرت سے ہی تسکین اور تسلی حاصل کرتے ہیں۔

آفتاب اقبال شمیم کی نظم میں فطرت کی عکاسی کے ساتھ ساتھ ہمیں فطرت سے ایک جاندار مکالمہ بھی ملتا ہے۔ ان کی نظموں میں جنگل ہمیں راستہ دکھاتے نظر آتے ہیں۔ درخت چلتے پھرتے ہیں۔ دریا ایک پوری تہذیب کے رکھوالے ہیں۔ پرندے، پانی، سمندر، پہاڑ، پھول، پتے نظم کا اس خوبصورتی سے حصہ بنتے ہیں کہ بعض اوقات وہ ایک کردار کا روپ دھار کر اس قصہ اور کہانی میں مرکزی اہمیت حاصل کر جاتے ہیں۔ ان کی شاعری میں فطرت اور انسانی رویوں میں گہری جڑت اور مشاہدہ نظر آتا ہے۔ ان کی نظموں میں اُگی فصلیں اپنی خوشبو سے قاری کو معطر کرتی ہیں۔ ہم سوکھے پتوں کی چرمراہٹ اور پھولوں کے رنگوں کو اپنے سامنے محسوس کرتے ہیں اور اس تاثر کو بھی جو آفتاب اقبال شمیم فطرت کے بیان سے ہم تک منتقل کرتے ہیں، وہ تاثر خوشی، حیرانی، اداسی اور بیگانگی کا ہے۔

آفتاب اقبال شمیم کی نظم میں ہمیں قدرتی ماحول کا ایک تحفظ نظر آتا ہے۔ آج کی دنیا کا ایک بڑا مسئلہ ماحولیاتی توازن میں بگاڑ ہے۔ انسانوں کی آبادی بڑھنے سے انسان نے قدرتی وسائل کو بری طرح سے ضائع کیا ہے کہ ہمیں اس سیارے پر انسانی وجود خطرے میں نظر آتا ہے۔ موسموں کا توازن بگڑ چکا ہے۔ کبھی اچانک سردی اور کبھی اچانک گرمی کی شدت میں اضافہ کبھی برسوں تک سوکھے کا موسم تو کبھی اتنی بارش کہ سیلاب سے تباہی کبھی سموگ اور کبھی آندھیاں، بیماریوں کی شدت میں اضافہ اس کی وجہ ماحولیاتی توازن میں بگاڑ ہے۔ آفتاب اقبال شمیم فطرت کے ساتھ کھڑے ہیں اور اس کا تحفظ کرتے ہیں۔ ان کی نظم "ایوری باڈی نوباڈی" سے یہ اقتباس دیکھیے:

"کسی اخبار کے چالیسویں کالم میں
اس کا نام کل مذکور ہو گا
بے درخت وسنگ میدانوں میں اس کی
بے صدا آواز اپنا عکس ڈھونڈے گی
تو کوئی سر کٹا بے نام ہیر و خاک سے اٹھ کر
دھویں کے دائرے سے ایک کالا لفظ پھونکے گا
اسے پتھر بنا دے گا"(۵)

فطرت سے چھیڑ چھاڑ کے بعد جو صورت حال پیدا ہوتی ہے اس کا عکس ہم درج بالا نظم میں دیکھ سکتے ہیں۔ اس خوف کو عمدگی سے آفتاب اقبال شمیم نے تجسیم کیا ہے۔ ماحولیاتی عدم توازن کی ایک بڑی وجہ درختوں کا کاٹنا، جنگلات کا کم ہونا ہے۔ آفتاب اقبال شمیم

کی نظم میں درختوں کے نہ ہونے سے پیدا ہونے والے گھمبیر اثرات کا نوحہ جگہ جگہ ملتا ہے۔ ''دھند میں اٹھتا ہاتھ'' (ایک مکالمہ) سے یہ اقتباس دیکھیے:

''بید مجنوں سے شاخوں کی لڑیاں لٹکتی ہوئیں
جیسے گر جائیں گی اور گرتی نہیں
اور زرخیز مٹی سے اگتا نہیں موسموں کا ثمر
میں مسافر۔۔۔ سفر کی اتری ہوئی قوس پر ہوں رواں
شام کی گرد میں خود سے روپوش ہوتا ہوا'' (۶)

آفتاب اقبال شمیم ''زید سے مکالمہ'' میں فطرت کی تباہی اور فطرت کی طاقت کا ذکر کرتے ہیں اور فطرت کو بھی مکالمے میں شامل کر لیتے ہیں۔ اس مجموعہ کی طویل نظمیں انسان اور فطرت کے درمیان ایک مکالمہ بن کر سامنے آتی ہیں۔ اس مجموعہ کی نظم ''ستمبر کا شہر'' کی یہ سطور دیکھیے:

''درخت بے برگ و شاخ
جیسے صلیب چپ چاپ
سانس روکے ہوئے کھڑے ہوں
کہ آسماں سے ہلاک پتوں
گزیدہ شاخوں کا خون برسے
تو ڈوب جائیں
کشیدہ راہیں'' (۷)

آفتاب اقبال شمیم کی نظم ''درخت'' فطرت سے مکالمہ کی عمدہ مثال ہے۔ اس نظم میں وہ درخت کو ایک کردار بنا کر فطرت سے مکالمہ کرتے ہیں۔ نظم ''درخت'' میں ایک آواز فطرت کی آواز ہے جو انسان مرتکز بیانیے کی نفی کرتا ہے اور انسان کو یہ احساس دلاتی ہے کہ اس کی بقاء فطرت کے وجود کی وجہ سے ہے اور اگر انسان فطرت کو نقصان پہنچائے گا تو وہ ایک سطح پر اپنے وجود کو ہی ختم کر رہا ہے۔ نظم ''درخت'' سے یہ اقتباس دیکھیے:

''ابھی ابھی برف کی چڑیلیں
ہری ہری مسکراہٹوں کو
شگفتہ چہرے سے نوچ لیں گی
ابھی ابھی باؤلے دنوں کی
سیہ لٹکتی ہوئی زبانیں
صرر صرر چاٹنے لگیں گی ترے بدن کو
خزاں کا سفاک لکڑہارا
ابھی ترا انگ انگ کاٹے گا

پھانسیاں سی تجھے بلندی سے پستیوں میں
کڑک کڑک کھینچنے لگیں گی
مگر معطر لہو برستا ہے جب فضا سے
خنک خنک آگ جاگ اٹھتی ہے"(۸)

آفتاب اقبال شمیم نے اس نظم میں درخت کو علامت کے طور پر بھی برتا ہے اور ایک کردار کے طور پر بھی۔ وہ درخت کی زبانی فطرت کے دکھ بیان کرتے ہیں اور فطرت انسان کو زندگی کے نئے معنی اور راستہ دکھاتی نظر آتی ہے۔ ایک درخت کے اندر ایک جگہ کھڑے ہو کر زمین کی گردش کو دیکھنے کی طاقت ہے۔ ایک درخت اپنی جڑوں سے پانی کشید کرتا ہے اور پیاس کو انسانوں سے زیادہ بہتر سمجھتا ہے۔ اسے ایک جگہ سے کاٹا جائے تو وہ دوسری جگہ سے بڑھتا ہے۔ وہ دھوپ، گرمی، بارش اور تیز آندھیوں میں خود کو متوازن رکھتا ہے۔ خاموش رہ کر مکالمہ کرتا ہے۔ آفتاب اقبال شمیم نے اس عمل کو عمدگی سے بیان کیا ہے۔

آفتاب اقبال شمیم اپنی ذات اور زمانے کے دکھوں کو ایک درخت کے استعارے میں بیان کرتے ہیں۔ کبھی درخت ان کے بچھڑے ہوئے دوست بن جاتے ہیں تو کبھی درخت کسی آمر کے سامنے دیوار بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ وہ ایک درخت کی آنکھ سے دنیا کو دیکھتے ہیں اور اپنے آس پاس کے دکھوں پر فطرت کی مرہم کاری کرتے ہیں۔ نظم "بے نام ہونے کی آرزو" سے یہ سطور دیکھیے:

"کسی شجرے کی ٹہنی پر ہوئی ہے
لمحہء حاضر کی ہریالی
ہوا نسیاں زدہ پچھلی خزاں کے رفتگاں کی
خاک پر رقصاں
خمیدہ ہو کے مجرا پیش کرتی ہے"(۹)

آفتاب اقبال شمیم کے ہاں فطرت نگاری ایک مقصدیت سے عبارت ہے اور یہ مقصد فطرت کا تحفظ اور انسان مرتکز بیانے کے مقابل زمین مرتکز بیانیہ کا فروغ ہے۔ ان کی نظم میں ایسے مسائل ملتے ہیں جو ماحولیاتی مسائل پر غور وخوص کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ انسان کی ترقی اور اس کا عالمگیریت کا حامل رویہ ہے جو ماحول کی تباہی کا سبب بن رہا ہے۔ آفتاب اقبال شمیم اس بات کا پرچار کرتے نظر آتے ہیں کہ یہ سیارہ صرف انسان کا گھر نہیں ہے بلکہ یہاں بسنے والے لاکھوں دوسرے جانوروں، پرندوں اور حشرات کا بھی گھر ہے۔ اس لیے اس نظام میں تبدیل کا حق صرف انسان کو نہیں ہے۔ ان کی نظمیں ماحولیاتی انصاف پر مبنی ہیں۔

آفتاب اقبال شمیم کے ہاں فطرت سے جڑا ایک بڑا استعارہ دریا کا ہے۔ زمانہ قدیم سے انسانوں نے دریا کے کنارے بستیاں بسائیں اور کاشت کاری کی۔ انھوں نے دریا کو دیوی اور دیوتا کا درجہ دیا اور اپنی منت، مراد اسی سے مانگی۔ قدیم انسانی اساطیر میں دریا انسان کو پالنے والا ہے۔ آفتاب اقبال شمیم دریا کو تہذیب سے جوڑتے ہیں اور دریا کو ایک زندہ کردار کی طرح نظموں میں بیان کرتے ہیں۔ جوں جوں انسان کی آبادی بڑھی اور اس نے ترقی کی منزلیں طے کیں تو دریاؤں کے راستے سکڑنے لگے۔ دریاؤں پر بند باندھے گئے، ان کے راستے بدلے گئے، ڈیم بنا کر ان کے پانی کو قید کر دیا گیا اور یوں وہ بستیاں اور تہذیبیں جو دریاؤں کے دم سے آباد تھیں اجڑنے لگیں۔ جن علاقوں سے دریا پیچھے ہٹے وہ علاقے بنجر ہوتے گئے۔ یوں انسانی تاریخ میں دریاؤں کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا

جا سکتا۔ آفتاب اقبال شمیم اپنی نظم میں ان دریاؤں کو واپس بلاتے ہیں اور زمین کو سرسبز دیکھنا چاہتے ہیں۔ فطرت کے بدلتے توازن کے حوالے سے یہ اقتباس دیکھیے:

"انسان میں وہ کیا خوبیاں ہیں جن کی بدولت وہ نہ صرف اپنے آپ کو تبدیل کرتا رہا بلکہ تاریخ کا سفر گواہ ہے کہ اس کا جہاں تک بس چل سکا فطرت کو بھی تبدیل کیا۔ وسیع ریگستان شہروں میں بدل گئے، دریاؤں پر پل باندھے، پہاڑوں میں راستے تلاش کئے۔ خانہ بدوشوں سے زراعت اور زراعت سے صنعتی عہد میں قدم رکھا۔"(۱۰)

آفتاب اقبال شمیم کی نظم میں درخت، دریا، تہذیب ایک کڑی میں جڑے نظر آتے ہیں۔ وہ دریاؤں کے کنارے بنے شہروں کی ترقی اور فطرت کی تباہی کا ذکر کرتے ہیں۔ نظم "دھوپ اور دھند" سے یہ اقتباس دیکھیے:

"بھائی!
ساری نسلیں، سب تہذیبیں یوں تو
ایک درخت کی شاخیں ہیں
لیکن ایک ہی مٹی سے
کٹیائیں اور قصر بنا کر
پانی کی بے انت سخاوت پر رہٹوں کی
بالادستی قائم کر کے
روشنیوں کو مدھم کر کے آنکھوں میں
اپنے اپنے بول کے اونچے رقبے میں خود غرضی نے
کیسا شہر بسایا ہے"(۱۱)

آفتاب اقبال شمیم دریا کو مختلف روپ میں دیکھتے ہیں۔ کبھی دریا ان کے لیے ایک پربت بن جاتا ہے کبھی دریا صحرا بن جاتا ہے اور کبھی دھوپ میں بیٹھا ہوا کوئی پرندہ۔ ان کے ہاں دریا کے مختلف روپ ہیں۔ "بناہل کا ایک منظر" سے یہ اقتباس دیکھیے:

"دھوپ کے زرد بسیرے سے
اس پربت کے
پیچھے بہتے دریا کی آواز کا پنچھی آتا ہے
بکھراتا ہے
سبز نمی کا نغمہ ٹھہری وادی پر"(۱۲)

آفتاب اقبال شمیم کے ہاں زید سے ایک طویل مکالمہ ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ زید ان کا ہم زاد بھی ہے اور دوست بھی۔ وہ بہت آسانی سے اپنی رنجشوں اور دکھوں کو زید سے کہہ جاتے ہیں، وہ زید سے سوال بھی کرتے ہیں اور ان کو آئینہ بھی دکھاتے ہیں۔ وہ زید کو دریا اور درختوں کی کہانی سناتے ہیں اور نئے دنوں کی امید باندھتے ہیں۔ ان کی نظم "نارسیدہ لمحے کا بلاوا" سے یہ مکالمہ دیکھیے:

"زید! یہ کیسے پھول ہری آشاؤں کے

دن کے صحن میں کھلتے ہیں
نیم جنوں کی خوشبوئیں
سینے کے صفحے پر نقش بناتی ہیں
بے مفہوم شکستہ خط تحریروں کے
آ مکتب سے بھاگ چلیں
دیکھ! وہاں پر
ریت کا ٹھہر ادریا نیلی بینائی کی
وسعت سے جا ملتا ہے"(۱۳)

آفتاب اقبال شمیم کے ہاں دریا کا استعارہ اس قدر طاقت ور ہے کہ وہ دریا کے بہاؤ کے ساتھ سفر کرتے ہیں اور انجان بستیوں کے باسیوں اور ان پر گزرنے والی کتھاؤں کو سنتے ہیں بلکہ وہ اس سے بھی آگے جا کر خود کو بھی دریا تصور کرتے ہیں۔ نظم "اور پانی تو پانی ہے" سے یہ اقتباس دیکھیے:

"یہاں آ گیا ہوں جہاں
میں نے پانی سے، اس کی روانی سے سمبندھ
باندھا تھا
اس کے کنارے کی
ازلوں سے دھوئی ہوئی ریت میں
میرے پاؤں دھنسے تھے، یہی ایک بازو کی
دوری پہ بہتے ہوئے
آب جہلم نے اک بولتی مسکراہٹ میں
مجھ سے کہا
تم بھی جہلم ہو
بہتے رہو
شعر کہتے رہو"(۱۴)

آفتاب اقبال شمیم کے ہاں "زمین اور سمندر" بھی فطرت کی وہ آنکھیں ہیں جن کے ذریعے وہ اس دنیا اور دنیا والوں کو دیکھتے ہیں۔ "گم سمندر" کے عنوان سے ان کا پورا مجموعہ موجود ہے۔ وہ سمندر کو ایک وسعت کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ سمندر اور زمین ازل سے ایک ساتھ ہیں۔ یہ صرف سمندر ہی ہے جو زمین کے دکھوں کو سمجھتا ہے۔ آفتاب اقبال شمیم سمندر کی زبان میں مخاطب ہوتے ہیں۔ یہ اقتباس دیکھیے:

"میں سمندر ہوں
شکلیں بدلتے بناتے ہوئے وقت کی

آشنائی میں ہوں
تو کہ میرے کناروں پہ بستا ہے
مت پوچھ
بے فاصلہ اور بے وقت تقویم میں
اولیں اصل کیا ہے میری"(۱۵)

سمندر بھیدوں بھرا ہے۔ سمندر کے راز کوئی نہیں جانتا۔ سمندر گہرا اور خاموش ہے۔ وہ دریا اور سمندر کے رشتے کے تناظر میں وجود کے کرب کو یوں بیان کرتے ہیں۔ نظم "ایک رت تمنا کی" میں لکھتے ہیں:

"بدن کے سمندر میں گرتے ہوئے پانچ دریا
حواس اور احساس کی بادِ ساحل کے ماخذ ہیں
جس میں زمیں اور دنیا
غبارِ نم وریک میں
رنگ وآواز اور لذت وذائقہ کی پناہیں
بنائے ہوئے چل رہے ہیں"(۱۶)

آفتاب اقبال شمیم دریائے جہلم کے استعارے میں انسان کی ابد اور ابتدا کے بارے میں وجودی فلسفے کی گرہیں کھولتے ہیں۔ ان کی نظمیں فطرت سے مسلسل گفتگو ہیں۔ "طاؤس بانہالی کی ایک مختصر سی گفتگو" سے یہ اقتباس دیکھیے:

"اور جہلم میں انگلی ڈبو کر
وہ مجھ سے مخاطب ہوا
دیکھتے ہو یہ بوند اور میں اور دریا
اسی ایک ماخذ سے آئے ہوئے ہیں
شمال، آسماں کی طرف زینہ زینہ بلندی پہ
جاتی ہوئی سمت کا نام ہے
قاف کے اس طرف برف باغوں سے
چھنتی ہوئی روشنی سائبان سا بناتی ہے
جس کے تلے ایک شہر کرامات آباد ہے"(۱۷)

درختوں کی خاموشی میں بھی ایک گونج ہوتی ہے۔ ان کا سکوت سمندر کے سکوت کے مترادف ہے۔ یہ اقتباس دیکھیے:

"سرما کے ننگے ننگے پہناوے میں
جھنڈ کھڑے ہیں پیڑوں کے
جن کے پیچھے امبر کا بن نیلا پن میں پھیلا ہے
جانے یہ آہٹ سی کیا ہے

وقت میں وقت سے باہر کی
گہری چپ کے ٹھہراؤ میں
گونج کے اندر گونج کا محشر اٹھتا ہے
جیسے کوئی ناقہ سوار دشتِ سوس بپا کر دے"(۱۸)

آفتاب اقبال شمیم کی نظموں میں سمندر، زمین اور درخت ایک مسلسل مکالمے کا حصہ ہیں۔ وہ انسان اور فطرت کو ان کے تناظر میں سامنے لاتے ہیں اور ہر بار ایک نئے راستے کو دریافت کرتے ہیں۔ ان راستوں پر حیرت ہے، نئی جہتیں ہیں۔ سمندر کے اندر چھپے رازوں کو سننے اور دیکھنے کے لیے بھی اتنا ہی گہرا سکوت اور ٹھہراؤ چاہیے۔

آفتاب اقبال شمیم نے فطرت سے مکالمہ کرتے ہوئے بہت سادگی کے ساتھ بڑے بڑے سوالوں کے جواب تلاش کئے ہیں۔ وہ جب کوئی مشکل بات کرنا چاہتے ہیں۔ وہ وجودی فلسفہ ہو یا آمریت کے دور میں اظہار آزادی کی بات تو وہ اس کے لیے فطرت کی زبان استعمال کرتے ہیں اور یوں ایک مشکل بات اس قدر آسان ہو جاتی ہے کہ ایک سادہ ذہن بھی ان کی بات کی گہرائی اور تہہ در تہہ معنویت کو سمجھ جاتا ہے۔ فطرت کے لاکھوں ہزاروں رنگ ہیں۔ فطرت کبھی بوڑھی نہیں ہوتی۔ وہ ہر لمحہ بانہیں کھولے شاعر کو خوش آمدید کہتی ہے اور شاعر ہر بار فطرت سے مل کر، بات کر کے اپنے آپ کو نیا کرتا ہے اور طاقت حاصل کرتا ہے۔ سمندر، زمین ان کے لیے ایک ماں، ایک پالنے والے کا درجہ رکھتے ہیں۔ وہ ان سے مکالمہ کر کے اپنے ذہن کی گتھیاں سلجھاتے ہیں۔ ان کا زمین سے مکالمے کا یہ رنگ دیکھئے کہ وہ فطرت کے رنگ میں کیسے مزاحمت کرتے ہیں۔ نظم "مٹی کا زنگ" سے یہ اقتباس دیکھیے:

"کیسے پیلے رنگ امنڈ کر آئے چاروں جانب سے
پتوں کی بارش میں ہم تو بھیگ گئے
کس بستی میں دھوپ کا نغمہ سننے جائیں
سارے رستے سوچوں کے
جاتے ہیں بے انت نشیبوں کی جانب
قدموں کے آگے ابہام کی دلدل ہے
دل کی دہشت نگری کے سناٹے میں
کالے فوجی بوٹوں کی آواز سنائی دیتی ہے"(۱۹)

آفتاب اقبال شمیم کے ہاں درخت، دریا، سمندر، زمین، مٹی، پتے، پھول، رنگ اور ان کے سائے، پرندے اور ان کی اڑان خاص معنی کی حامل ہیں۔ وہ ایک طرف سادگی کے ساتھ فطرت کا ایک عکس بناتے ہیں اور دوسری جانب اس کے پردے میں وہ کہہ جاتے ہیں جس کی اجازت سادہ لفظ نہیں دیتے۔ فطرت ان کی دوست ہے ان کی ہمراز ہے۔ خوشی اور چاشنی ہے۔ فطرت کی طاقت سے وہ انسان کو اس کی سمت دکھاتے ہیں اور فطرت سے ہی تحفظ حاصل کرتے ہیں۔ کبھی کبھی تو وہ فطرت میں اس قدر ڈوب جاتے ہیں کہ خود کو اس کا حصہ تصور کرتے ہیں۔ ان کی ابتدائی دعائیہ نظموں میں احساس بہت زیادہ ہے۔ نادر یافتہ کی پہلی نظم "آدم زاد" سے یہ اقتباس دیکھیے:

"خداوندا!

مجھے طائر، شجر، پربت بنادے

یا مجھے ڈھادے

کہ دوبارہ جنم لوں اپنی بے مشروط آزادی کی خواہش سے "(۲۰)

آفتاب اقبال شمیم کے ہاں فطرت کا رنگ اس قدر گہرا ہونے کے باوجود کوئی ابہام پیدا نہیں کرتا بلکہ ان کے بیانیے کو مزید سادہ اور پُر وقار بناتا ہے۔ وہ فطرت سے مکالمہ میں جدید نفسیات، روشن فکری، روایت، سامراج، ثقافت، پیچیدہ ذہنی کیفیات، سماجی مسائل، وجودی فلسفے اور خارجی کائنات کو موضوع بناتے ہیں۔ فطرت کو مخاطب کرنے کا ان کا یہ انداز ان کے ہم عصر شاعروں سے یکسر مختلف ہے۔ وہ فطرت کے کینوس پر تاریخ اور سماج کے حوالوں کے ساتھ باطن کی ایسی تصویر کشی کرتے ہیں کہ زندگی اور اس کے احساسات کو ایک نئے ڈھنگ سے آشکار کرتے ہیں۔ ان کی جن نظموں میں فطرت سے مکالمہ ملتا ہے ان میں روایتی قافیے کا اہتمام کم دکھائی دیتا ہے۔ وہ فطرت کے رنگوں اور بیان کے سحر سے موسیقیت پیدا کرتے ہیں۔ فطرت ان کے احتجاج اور طنز کو بھی ایک شیریں صورت میں بدل دیتی ہے۔ وہ فطرت کی بقا سے ایک نئے معاشرے کی تشکیل کرتے ہیں جس میں انسان فطرت کو تسخیر کرنے والا نہیں بلکہ فطرت کا ہی ایک حصہ اور محافظ ہے۔ جہاں زندگی کے بہاؤ کو فطرت ہموار رکھتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر تاریخ، عزیز بک ڈپو، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص:۵۱۶

۲۔ عقیل احمد صدیقی، جدید اردو نظم نظریہ و عمل، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۱۴ء، ص:۲۴۱

۳۔ الطاف حسین حالی، مقدمہ شعر و شاعری، لالہ رام نارائن، الہ آباد، ۱۹۳۱ء، ص:۱۶

۴۔ روبینہ ترین، مضمون، "آزاد نظم سے نثری نظم تک" مشمولہ نثری نظم (اصول حمایت اختلاف اور روایت) مرتب: اویس سجاد، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۲۰ء، ص:۳۸۰

۵۔ آفتاب اقبال شمیم، نادر یافتہ (کلیات)، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۶ء، ص:۳۵

۶۔ آفتاب اقبال شمیم، نادر یافتہ (کلیات)، ص:۶۴

۷۔ آفتاب اقبال شمیم، نادر یافتہ (کلیات)، ص:۱۸۱

۸۔ آفتاب اقبال شمیم، نادر یافتہ (کلیات)، ص:۲۲۱

۹۔ آفتاب اقبال شمیم، نادر یافتہ (کلیات)، ص:۳۵۰

۱۰۔ محمد ساجد امجد، ڈاکٹر، اردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات، غضنفر اکیڈمی پاکستان، کراچی، ۱۹۹۵ء، ص:۱۸

۱۱۔ آفتاب اقبال شمیم، نادر یافتہ (کلیات)، ص:۳۱۹

۱۲۔ آفتاب اقبال شمیم، نادر یافتہ (کلیات)، ص:۳۴۶

۱۳۔ آفتاب اقبال شمیم، نادر یافتہ (کلیات)، ص:۱۲۴

۱۴۔ آفتاب اقبال شمیم، نادر یافتہ (کلیات)، ص:۸۹۰

۱۵۔ آفتاب اقبال شمیم، نادر یافتہ (کلیات)، ص:۹۴۴

۱۶۔ آفتاب اقبال شمیم، نادر یافتہ (کلیات)، ص:۶۳۹
۱۷۔ آفتاب اقبال شمیم، نادر یافتہ (کلیات)، ص:۵۹۹
۱۸۔ آفتاب اقبال شمیم، نادر یافتہ (کلیات)، ص:۵۰۹
۱۹۔ آفتاب اقبال شمیم، نادر یافتہ (کلیات)، ص:۷۶
۲۰۔ آفتاب اقبال شمیم، نادر یافتہ (کلیات)، ص:۲۶

Reference in Roman Script:

1. Anwar Sadeed, Dr, Urdu Adab ki Mukhtasir Tareekh, Aziz Book Depot, Lahore, 1998, P:516
2. Aqeel Ahmed Siddiqui, Jadeed Urdu Nazm: Nazriya o Ammal, Becon Books, Multan, 2004, P:241
3. Altaf Hussain Hali, Muqaddama Sher o Shairy, Lala Ram Narain, Alaabad, 1931, P:16
4. Robina Tareen, Mazmoon "Azad Nazm se Nasri nazm Tak", Mashmoola: Nasri Nazm (Asool, Himayat, Ikhtelaf aur Riwayat), Murattab: Awais Sajjad, Fiction House, Lahore, 2020, P:380
5. Aftab Iqbal Shamim, Nadir Yaafta (Kulliyat), Porab Acadmy, Islamabad, 2016, P:35
6. Aftab Iqbal Shamim, Nadir Yaafta (Kulliyat), P:64
7. Aftab Iqbal Shamim, Nadir Yaafta (Kulliyat), P:181
8. Aftab Iqbal Shamim, Nadir Yaafta (Kulliyat), P:221
9. Aftab Iqbal Shamim, Nadir Yaafta (Kulliyat), P:350
10. Muhammad Sajid Amjad, Dr, Urdu Shairy Per Bar-e-Sagheer K Tehzibi Asrat, Ghazanfar Acadmy Pakistan, Karachi, 1995, P:18
11. Aftab Iqbal Shamim, Nadir Yaafta (Kulliyat), P:319
12. Aftab Iqbal Shamim, Nadir Yaafta (Kulliyat), P:346
13. Aftab Iqbal Shamim, Nadir Yaafta (Kulliyat), P:124
14. Aftab Iqbal Shamim, Nadir Yaafta (Kulliyat), P:890
15. Aftab Iqbal Shamim, Nadir Yaafta (Kulliyat), P:944
16. Aftab Iqbal Shamim, Nadir Yaafta (Kulliyat), P:639
17. Aftab Iqbal Shamim, Nadir Yaafta (Kulliyat), P:599
18. Aftab Iqbal Shamim, Nadir Yaafta (Kulliyat), P:509
19. Aftab Iqbal Shamim, Nadir Yaafta (Kulliyat), P:76
20. Aftab Iqbal Shamim, Nadir Yaafta